AL-HAYAT Research Journal
Volume 3 Issue 3 (April-June 2026)
ISSN (Online): 3006-4767
ISSN (Print):: 3006-4759
HJRS HEC Journal Recognition System

مغرب میں مجادلانہ تنقیدی مطالعاتِ قرآنیہ: تاریخی مطالعہ

Western Polemical and Critical Qur'anic Studies: A Historical Overview

Dr. Muhammad Tayyab Usmani
Incharge: Department of Islamic Studies, Baba Guru Nanak University, Nankana Sahib, tayyab.usmani@bgnu.edu.pk

Abstract

This research paper presents a comprehensive historical and critical analysis of the evolution of Western Orientalist studies on the Qur'an from the medieval era to the twenty-first century. It traces the shifts in Orientalist methodologies, beginning with the polemical and defensive apologetics of the medieval period marked by scholars like John of Damascus and Ricoldo of Montecroce and transitioning into the relatively balanced, linguistic endeavors of the Enlightenment era led by figures such as George Sale and Nicholas of Cusa. During the nineteenth and twentieth centuries, the introduction of source criticism and redaction criticism (by scholars including Abraham Geiger, Theodor Nöldeke, Richard Bell, Arthur Jeffery John Wansbrough sought to frame the Qur'anic narrative, vocabulary composition within Jewish, Syriac and Christian traditions. In the contemporary era, scholars like Gabriel Said Reynolds and projects such as Corpus Coranicum have shifted the focus toward intertextual approaches, examining the Qur'an's unique literary discourse alongside late-antique theological traditions. Ultimately, the paper underscores the critical necessity for Muslim scholarship to objectively engage with and critically evaluate these modern Western analytical paradigms to effectively respond to Orientalist skepticism through robust intellectual and textual discourse.

Keywords: Qur'anic narrative, Orientalism, Source Criticism, Western Analytical Paradigms

قرآنِ مجید اور اسلام کے بارے میں مغربی محققینِ قرآن کا علمی رویہ اور تحقیق کا سفر گزشتہ کئی صدیوں پر محیط ایک پیچیدہ اور متحرک تاریخی فکری عمل رہا ہے۔ اس مطالعے کا آغاز قرونِ وسطیٰ کے مذہبی مناظرانہ اور دفاعی نقطۂ نظر سے ہوا جس کا بنیادی مقصد اسلام کی نفی اور مسیحی عقائد کو اصل اور برتر ثابت کرنا تھا۔ تاہم جیسے جیسے مغربی دنیا میں علمی، سائنسی اور فکری تبدیلیاں روپذیر ہوئیں بالخصوص عہدِ روشن خیالی کے بعد اس مطالعے میں دفاعی شدت کے بجائے لسانی، تاریخی اور آماخذی تنقید نے جگہ لے لی۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں ابراہیم گائیگر، نولڈیکے، اور وانسبروف جیسے مغربی محققین نے قرآن کے بیانیے، لغوی ذخیرے اور تاریخی تدوین کو بائبلی، یہودی اور سریانی روایات سے ماخوذ ثابت کرنے کے لیے جدید تنقیدی مناہج لاگو کیے۔ اس کے ساتھ ساتھ اکیسویں صدی کے معاصر مطالعات میں گبریل سائیڈ رینالڈز اور اداراتی مطالعاتِ قرآنیہ مثلاً کارپس قرآنکم جیسے پروجیکٹس کے ذریعے بقرآن مطالعات کو مغربی دنیا میں فروغ ملا ہے۔ زیرِ نظر مقالہ قرونِ وسطیٰ سے لے کر معاصر دور تک مغربی مطالعاتِ قرآن کے مختلف فکری مراحل، ارتقاء اور قرآنی مطالعات پر ایک فہرست پیش کرتا ہے تاکہ غیر مسلم مفکرین کے فکری تنوع اور ان کے بنیادی مقدمات تک رسائی ہو سکے۔

قرآن پر تنقیدات: ابتدائی دور:۔

جان آف دمشق جن کا انتقال غالباً 752 عیسوی میں ہوا انہوں نے اپنی کتاب میں اسلام کو ایک بدعتی نظام کے طور پر پیش کیا اور اسے مسیحی روایت سے اخذ شدہ قرار دیا۔ ان کے مطابق نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عہد نامہ قدیم و جدید کی معلومات ایک آریائی راہب کے ذریعے حاصل ہوئیں[1]۔ ان کے اس موقف سے یہ نتیجہ اخذ کیا

OPEN ACCESS
CC BY

جاتا ہے کہ قرآن مجید سابقہ آسمانی کتب سے ماخوذ ہے۔ ڈینیل جے ساہس اپنی ایڈٹ شدہ کتاب " De Haeresibus (The Heresy of the Ishmaelites)." میں لکھتے ہیں:۔

"Elsewhere, John of Damascus viewed the Qur'an as a book "worthy only of laughter."[2]

ترجمہ: یوحنا دمشقی نے قرآنِ مجید کو ایک ایسی کتاب قرار دیا جو ان کے نزدیک قابلِ استہزا تھی۔

یوحنا دمشقی نے اسلام کو ایک مذہبی بدعت قرار دیا اور قرآنِ مجید کو وحیِ الٰہی تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ ان کا یہ رجحان اسلام اور قرآنِ مجید کے بارے میں ان کے فکری تنقیدی نقطۂ نظر کی عکاسی کرتا ہے. بعد کے ادوار میں بھی اسی طرزِ فکر کے اثرات واضح نظر آتے ہیں۔ ابتدائی تنقیدات مین قرآن مجید کی زبان پر اعتراضات کیے گئے ان ناقدین میں اولین نام عبدالمسیح بن اسحاق الکندی کا ہے۔ ان کے مطابق قرآن میں متعدد غیر عربی الفاظ کا استعمال پایا جاتا ہے جس سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی عربی زبان کامل اور خالص نہیں ہے۔[3] اسی دور میں نیکیٹس آف بازنطیم نے بھی " ردِ قرآن" پر ایک کتاب تصنیف کی جس میں اسلام کے خلاف نہایت سخت موقف اختیار کیا۔ ان کا رویہ جان آف دمشق سے بھی زیادہ تنقیدی سمجھا جاتا ہے۔[4] مذکورہ ابتدائی مصنفین کی تنقیدی تحریری رجحانات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کی بنیادی مناظرانہ و مجادلانہ کوشش یہ رہی کہ مسیحی مذہبی روایت کو اصل اور برتر ثابت کیا جائے جبکہ قرآن مجید پر ایمان کو ماخوذ متن ہونے کی بنیاد پر کمزور یا غلط قرار دیا جا سکے۔ اگرچہ ان تنقیدی تحریرات میں بعض اوقات اصل مصادر سے اخذ کردہ معلومات کے آثار بھی ملتے ہیں مگر ان کا عمومی رجحان تنقیدی اور منفی تھا جس کا مرکزی مقصد تشکیک کو فروغ دینا تھا۔

قرآنی مطالعات کا ارتقاء:۔

قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں بازنطینی نقاد کے برعکس ہم عصر مغربی یورپی علما کے پاس قرآن کے بارے میں محدود اور غیر مستند معلومات موجود تھیں۔ رچرڈ ولیم سدرن کے مطابق 700 سے 1100 عیسوی کے درمیان یورپ میں لوگ عام طور پر بائبل کی روشنی میں مسلمانوں کی اصل کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ قرونِ وسطائی دور میں یہ بھی واضح نہیں تھا کہ سوائے چند اطالوی اور ہسپانوی ماخذات کے یورپی مسیحی اہل علم نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے بھی واقف تھے یا نہیں۔ اس بارے میں لکھتے ہیں:۔

"Islam was the most far-reaching problem in medieval Christendom, calling for action and discrimination between the possibilities of Crusade, conversion, coexistence commercial interchange."[5]

رچرڈ ولیم سدرن نے اس اقتباس میں یہ واضح کیا ہے کہ قرونِ وسطیٰ کے یورپی معاشرے کے نزدیک اسلام ایک اہم مذہبی اور سیاسی چیلنج تھا۔ اسی وجہ سے مغربی دنیا نے اسلام کے ساتھ تعلقات کے مختلف طریقوں مثلاً صلیبی جنگوں، تبلیغ و تبدلِ مذہب، بقائے باہمی اور تجارتی روابط پر غور کیا۔

صلیبی دور میں تنقیداتِ قرآن:

ابتدائی صلیبی جنگوں کے دوران اسلام کو درست طور پر سمجھنے کا ایک اہم موقع ضائع ہو گیا کیونکہ اس دور کے علمی ذرائع زیادہ تر افسانوں اور لوک کہانیوں پر مبنی تھے۔ نیل رابنسن کے مطابق اس زمانے میں معلومات کا بڑا حصہ غیر مستند روایات سے متاثر تھا جس نے علمی فہم کو محدود رکھا۔[6] اسی تناظر میں بعض مسیحی متکلمین نے قرآن اور اسلام کے مطالعے کو دفاعی اور تنقیدی مقصد کے لیے استعمال کیا۔ پیٹر دی وینیر یبل کی سرگرمیوں کا بنیادی مقصد بھی اسلام کو رد کرنا تھا۔ جیمز کرٹزیک کے تحقیق یہ ہے کہ اس دور میں اسلام کو انجیل کا مخالف سمجھ کر اس پر تنقید کی جاتی تھی تاکہ اسے علمی طور پر کمزور ثابت کیا جا سکے۔[7] آرتھر جان آربری بیسویں صدی کے ایک ممتاز برطانوی مستشرق محقق اور عربی و فارسی علوم کے ماہر تھے وہ عربی، فارسی اور اسلامی علوم پر گہری دسترس رکھتے تھے اور انہوں نے مغربی دنیا میں اسلامی ادب اور قرآن پاک کو متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ آربری نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ "The Koran Interpreted" کے نام سے کیا جو مستشرقین کے انگریزی تراجم میں خاصی اہمیت کا متحمل ہے۔ آربری کے مطابق ابتدائی لاطینی تراجم کے پیچھے بھی بنیادی محرک مذہبی مخالفت اور مسیحی دنیا کا دفاعی رویہ تھا۔ ان تراجم

CC BY

نے ایک طرف یورپ کو قرآن سے متعارف کروایا مگر دوسری طرف غلط فہمیوں کو بھی فروغ دیا۔[8] ریکولڈو آف مونٹیکروچے "Ricoldo of Montecroce" اس دور کے اہم ناقدین میں شمار ہوتے ہیں جن کی کتاب " Confutatio Alcorani" صدیوں تک مغربی علمی حلقوں میں استعمال ہوتی رہی۔ ان کے مطابق قرآن میں بائبل سے اختلاف، داخلی تضادات اور تاریخی خامیاں اس کے الٰہی وحی ہونے کی نفی کرتی ہیں۔ وہ قرآن کے اسلوب کو بھی کم درجے کا قرار دیتے ہیں۔[9] چودھویں اور پندرھویں صدی میں قرآنی مطالعات میں ایک نئی فکری تبدیلی دیکھنے کو ملی۔ اس دور میں اگرچہ پرانا تنقیدی رجحان برقرار رہا لیکن بعض ناقدینِ قرآن نے نسبتاً معتدل اور تحقیقی رویہ اختیار کیا۔

قرآنی مطالعات میں فکری و تحقیقی تحول:

جان آف سیگوویا(John of Segovia) قرونِ وسطیٰ کے ایک اہم مسیحی اسکالر تھے جو اپنی علمی تحقیق اور اسلام کے بارے میں نسبتاً علمی رویہ اپنانے کی وجہ سے تاریخ میں یاد کیے جاتے ہیں۔ انہوں نے قرآن پاک کے لاطینی زبان میں ترجمے کے منصوبے پر کام کیا جس کا مقصد عیسائی دنیا کے لیے اسلام کو بہتر طریقے سے سمجھنا تھا بجائے اس کے کہ صرف اس کی مخالفت کی جائے۔

"John of Segovia translated the whole Spanish Qur'an into Latin by himself. In order to surpass the older Latin translation, he tried to translate Arabic way of expressing." [10]

جان آف سیگوویا نے پندرھویں صدی میں قرآنِ مجید کے لاطینی ترجمے پر کام کیا تاکہ مسیحی اہلِ علم اسلام اور قرآنِ مجید کو نسبتاً زیادہ درست انداز میں سمجھ سکیں۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ سابقہ تراجم کی خامیوں کو دور کرتے ہوئے عربی متن کے اسلوب اور مفہوم کو زیادہ ومکمل لسانی فہم کے ساتھ منتقل کیا جائے۔ نکولس آف کیوزا پندرہویں ویں صدی کے ایک مشہور جرمن فلسفی، ماہرِ الٰہیات اور کارڈینل تھے۔ نشاۃ ثانیہ کے دور کے ایک انتہائی ذہین اور دور اندیش مفکر مانے جاتے ہیں۔ نکولس آف کیوزا(Nicholas of Cusa) نے اپنی کتاب Cribratio Alchorani میں یہ مساعی رہیں کہ قرآن میں موجود سچائی کے عناصر کو غلط فہمیوں سے الگ کیا جائے۔ وہ مکمل طور پر قرآن کی الہامیت کے قائل نہیں تھے لیکن ان کا رویہ سابقہ سخت تنقید سے نسبتاً مختلف تھا۔[11] اس کے متکلمانہ وناقدانہ منہج میں تین اہم پہلوؤں سے اس کا منہجِ تنقید مختلف تھا۔

1. نیت کو مثبت انداز میں دیکھنا(Positive Assessment of Intent) : نکولس کے مطابق محمد ﷺ کی بنیادی نیت نیک تھی اور اُن کی نظر خدا کے اسی راستے پر تھی جو موسیٰ اور عیسیٰ علیہما الصلوۃ والتسلیم پر ظاہر کیا گیا تھا اور وہ عربوں کو اس راستے کی ہدایت دینا چاہتے تھے۔ تاہم بعد میں بدعتی عیسائیوں، یہودیوں اور سیاسی اثرات نے اس مقصد میں تبدیلیاں پیدا کیں، وہ لکھتے ہیں:۔

" Muhammad's basic impulse was good—his eye was upon the path to God revealed to men imperfectly by Moses and fully by Christ he sought to guide the heathen Arabs to this path and make it easy for them. The Muslim well arose from a sound spring, even though heretical Christians and corrupting Jews poisoned it the self-interest which made Muhammad into a tool of the devil ultimately perverted it."[12]

2. حقیقت کے عناصر کو تسلیم کرنا(Recognition of Truth in the Qur'an) : ان کا ماننا ہے کہ قرآن میں حقیقی دینی اہمیت موجود ہے، اس میں سچائی کے کئی عناصر شامل ہیں اور یہ تورات وانجیل کے اثرات اور ان کی روشنی سے منور ہے۔ اس حوالے سے نکولس ریسچر کا کہنا ہے:۔

"Not only was Muhammad's starting intention valid, but the work he produced, the Qur'an, is of genuine religious merit. It contains much that is sound and incorporates a great deal of truth. It is a work heavily influenced by the Old and New Testaments, whose reflected light illuminates it at many points. "Si quid pulchri, veri et clari in Alcoran reperitur, necesse est, quod sit radius lucidissimi Evangelii" (Cribratio, I, 6)."[13]

3. بین المذاہب مکالمے پر زور (Emphasis on Dialogue): نکولس نے جنگ یا مناظرے کے بجائے مسلمانوں کے ساتھ مذاکرات اور پرامن علمی "colloquium/dialogue" کی تجویز کا خیر مقدم کیا۔ ان کا ماننا تھا کہ اس گفتگو کے ذریعے مناظرانہ شدت وغصہ کم ہوگا اور سچائی خود کو ظاہر کرے گی۔

"This point of view also provides the rationale which brought Nicholas to that favorite concept of our day: the idea of a dialogue. Writing to his friend John of Segovia, he welcomed the idea of a conference with the Muslims: "Non est dubium medio principium temporalium, quos Teucri sacerdotibus praeferunt, ad colloquia posse perveniri, et ex illis furor mitig"abitur, et veritas se ipsam ostendet cum profectu fidei nostrae.' In this hopeful view of the constructive value of a 'dialogue' (colloquium)... Nicholas of Cusa is perhaps more a child of our time than of his own."[14]

نکولس آف کیوسا نے قرآنِ مجید کا مطالعہ نسبتاً معتدل انداز میں کیا اور اس میں موجود بعض تصورات کی ایسی تعبیر پیش کرنے کی کوشش کی جو مسیحی عقائد، بالخصوص انجیل کی تعلیمات، سے ہم آہنگ ہو سکیں۔ تاہم یہ تعبیر قرآنِ مجید کے اصل اسلامی مفہوم کی نمائندہ کلامی مسلمات کا اظہار کرنا نہیں تھا بلکہ یہ ان کی مسیحی مجادلانہ فکر کی تشریح تھی۔

روشن خیالی کے دور میں قرآنی تحقیق کا فروغ:

یورپ میں صلیبی جنگوں (Crusades) کی ناکامی عثمانی سلطنت کے عروج، مسلم اسپین کے علمی آثار اور طباعت کی ایجاد نے فکری ماحول میں تبدیلی پیدا کی۔ منٹگمری واٹ (کے مطابق ان عوامل نے قرآنی مطالعات کو نئے علمی راستے فراہم کیے۔[15] مارٹن لوتھر (1483ء - 1546ء) ایک جرمن پادری اور ماہرِ الٰہیات اور مسیحی تاریخ میں اصلاحِ کلیسیا (Protestant Reformation) کے سب سے اہم رہنما کے طور پر جانا جاتا ہے۔ سولہویں صدی میں مارٹن لوتھر (Martin Luther) نے قرآن کے بارے میں سخت تنقیدی موقف اختیار کیا۔ ان کے نزدیک قرآن ایک غیر مستند کتاب تھی اور وہ اسے شیطانی تعلیمات سے منسوب کرتے تھے۔

"Since we now have the Turk and his religion at our very doorstep, our people must be warned lest. With these weapons his Qur'an must be refuted."[16]

ترجمہ: چونکہ اب تُرک اور اس کا مذہب ہماری دہلیز تک پہنچ چکا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ہمارے لوگوں کو خبردار کیا جائے اور انہی دلائل و ذرائع کے ذریعے اس کے قرآن کا رد کیا جائے۔

مارٹن لوتھر نے قرآنِ مجید کے لاطینی ترجمے "Bibliander's Edition" کے مقدمے میں اسلام کو اُس دور کی مسیحی دنیا کے لیے ایک بڑا مذہبی چیلنج قرار دیا۔ ان کے نزدیک اسلام کا مقابلہ علمی اور مذہبی دلائل کے ذریعے کیا جانا چاہیے، اسی لیے انہوں نے قرآنِ مجید کے مطالعے اور اس کے رد پر زور دیا۔ یہ موقف اس دور کے یورپی مذہبی اور سیاسی حالات کی عکاسی کرتا ہے۔ جی۔ سائمن کے مطابق لوتھر کا یہ موقف زیادہ تر مذہبی و سیاسی تناظر سے متاثر تھا۔[17] روشن خیالی کے دور میں قرآنی مطالعات میں علمی اور لسانی تحقیق کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ عربی زبان کی تدریس یورپی جامعات جیسے پیرس، لائیڈن، کیمبرج اور آکسفورڈ میں باقاعدہ طور پر شروع ہوئی جس نے اسلام کے بارے میں نسبتاً زیادہ مستند تحقیق کی بنیاد رکھی۔[18] سترہویں صدی میں لوڈوویکو مراچی (Ludovici Maracci) نے قرآن کا ایک تنقیدی لاطینی متن تیار کیا جس کے ساتھ ترجمہ بھی شامل تھا۔[19] اس دور میں علمی مطالعہ زیادہ منظم ہوا اور اسلام کو محض تنقیدی زاویے سے نہیں بلکہ لسانی و تاریخی تناظر میں بھی دیکھا جانے لگا۔ قرونِ وسطیٰ سے روشن خیالی تک قرآنی مطالعات کا سفر ایک فکری تبدیلی کی عکاسی کرتا ہے۔ ابتدا میں یہ مطالعہ زیادہ تر دفاعی اور تنقیدی تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس میں علمی، لسانی اور تحقیقی پہلو بھی شامل ہوتے گئے۔

CC BY

روشن خیالی کے دور میں قرآنی مطالعات:-

روشن خیالی کے دور (Enlightenment Period) میں یورپ میں فکری اور علمی تبدیلیاں تیزی سے وقوع پذیر ہوئیں۔ اس دور میں سلطنت عثمانیہ کا زوال ویانا کے محاصرے 1683 کے بعد واضح طور پر شروع ہوا جس کے بعد عثمانی ریاست یورپی سیاست میں پہلے جیسا خطرہ نہ رہی۔ اس تبدیلی نے مغربی دنیا میں اسلام اور قرآن کے مطالعے کے لیے نئے علمی دروازے کھول دیے۔ اسی دور میں یورپ نے اپنے علمی ماخذ پر دوبارہ غور شروع کیا۔ سولہویں صدی کی جغرافیائی دریافتوں (Geographical Discoveries) نے یورپی فکر کو اس طرف متوجہ کیا کہ علم صرف مذہبی وحی تک محدود نہیں بلکہ مشاہدہ اور تجربہ بھی بنیادی ذرائع ہیں۔ اس فکری تبدیلی نے مذہبی متون کے تنقیدی مطالعے کو فروغ دیا۔[20] ان دریافتوں نے یورپی معاشروں کو زرعی نظام سے نکال کر تجارتی اور عالمی رابطوں پر مبنی نظام میں تبدیل کیا، جس سے مختلف تہذیبوں کے درمیان تعلقات میں اضافہ ہوا۔[21] اسی دوران یورپ میں مذہبی رواداری (Religious Toleration) کا رجحان بھی فروغ پایا۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ریاستوں کے درمیان کشیدگی میں کمی آئی، اور برداشت کے معاہدے وجود میں آئے۔ ڈورندا آوٹرام کے مطابق روشن خیالی نے مذہبی برداشت کو فروغ دیا، جس میں عثمانی سیاسی دباؤ کا بھی کردار شامل تھا۔[22] ان فکری تبدیلیوں کا اثر قرآنی مطالعات پر بھی پڑا۔ ایم۔ روڈنسن کے مطابق اس دور کے عقلیت پسند مصنفین نے اسلام کے بارے میں نسبتاً متوازن رویہ اختیار کیا اور قرونِ وسطیٰ کی سخت تنقید سے ہٹ کر اسے سمجھنے کی کوشش کی۔[23] اس دور میں جارج سیل (George Sale) (متوفی 1736) کا انگریزی ترجمہ قرآن ایک اہم سنگ میل سمجھا جاتا ہے۔

> "The Koran, Commonly Called the Alcoran of Mohammad: Translated into English from the Original Arabic; with Explanatory Notes from the Most Approved Commentators, to Which Is Prefixed a Preliminary Discourse."[24]

مغربی دنیا میں قرآنِ مجید کے اولین اور مؤثر انگریزی تراجم میں شمار ہوتا ہے اور ایک طویل عرصے تک یورپ میں قرآنِ مجید کے مطالعے کا بنیادی ماخذ رہا۔ تاہم اس کے مقدمے اور بعض حواشی میں مستشرقانہ رجحانات بھی نمایاں ہیں۔ اگرچہ انہوں نے لوڈوویکو ماراچی (کے لاطینی ترجمے پر انحصار کیا لیکن ان کا ترجمہ بعد کے یورپی تراجم کی بنیاد بنا۔[25] سیل (Sale) نے قرآن کو انسانی تصنیف کے طور پر پیش کیا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی اور اصلاحی کردار کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔[26]

سائنسی انقلاب اور ماخذی تحقیق (Source Criticism) کا آغاز:

انیسویں صدی میں سائنسی انقلاب اور چارلس ڈارون کے نظریۂ ارتقاء نے مذہبی فکر پر گہرا اثر ڈالا۔ Origin of Species (1859) نے تخلیق کے روایتی تصورات کو چیلنج کیا اور مذہب و سائنس کے درمیان تنقیدی مباحث کو بڑھا دیا۔[27] اس فکری ماحول میں قرآنی مطالعات میں ماخذی تحقیق G. Beer, Charles Darwin,"Encyclopaedia Britannica 5 (1872), 495 (Source Criticism) شروع ہوئی۔ سب سے اہم ابتدائی محقق ابراہام گائیگر تھے جنہوں نے اپنی کتاب "What did Muhammad Take from Judaism ?" میں یہودی اثرات کا تجزیہ پیش کیا۔ ان کے مطابق قرآن میں بعض بیانیے یہودی روایات سے متاثر ہیں۔[28] گائیگر کی تحقیقات میں یہ سوال اہم رہا کہ قرآن کس حد تک سابقہ مذہبی روایات سے متاثر ہے۔ ماخذ کی تلاش کا یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ نولدیکے لکھتے ہیں:-

> "The first scholar who wanted to follow in Geiger's footsteps—after nearly half a century— is Hartwig Hirschfeld, whose doctoral research focused on the Jewish elements in the Koran.48 Israel Schapiro was planning a collection of all the Haggadic elements in the Koran but so far only the first part has been published, i.e., his Straßburg doctoral thesis on the Sūra Joseph (12).49 Everything that he offers does not serve to throw light on the

OPEN ACCESS

Koran itself but only on its interpretation. A timely rewriting of Geiger's work would be highly desirable. Its 1902 reprint, falsely called a revised edition, is a regrettable mistake."[29]

انیسویں صدی کے مستشرقین کے مطالعاتِ قرآنیہ:

انیسویں صدی میں مستشرقانہ تحقیق کا آغاز قرآن کے تقابلی اور سامی مصادر کی تلاش سے ہوا۔ "Abraham Geiger" نے اپنی کتاب "Was hat Mohamed aus dem Judentum aufgenommen?" (1833ء) میں یہ نقطہ نظر پیش کیا کہ قرآنی قصص، احکام اور مذہبی تصورات کی ایک بڑی تعداد یہودی روایات مدراش سے مستعار ہے۔ اس کے بعد "Aloys Sprenger" نے "Life of Mohammad" (1851) اور "Das Leben und die Lehre des Mohammad" (1861–1865) میں دلیل دی کہ افکارِ اسلامیہ کی بنیاد زرتشتی، یہودی اور نصرانی اثرات کے مجموعے پر ہے اور انہوں نے "Aḥmad" کے لفظی و انجیلی تناظر فارقلیط پر بحث کی۔ "Theodor Nöldeke" نے اپنی شاہکار بنیاد پرستی کی کتاب "Geschichte des Qorâns" (1860) کے ذریعے قرآنی سورتوں کی اسلوبیاتی و زمانی ترتیب کا باقاعدہ علمی ڈھانچہ وضع کیا۔ نولڈیکے نے اپنے مقالے "Hatte Muhammad christliche Lehrer?" (1858ء) میں یہ واضح کیا کہ اگرچہ قرآن پر انجیلی روایات کے اثرات نظر آتے ہیں لیکن محمد ﷺ کا بنیادی تعلق باقاعدہ مسیحی اساتذہ کے بجائے عمومی زبانی روایات اور غیر مستند اناجیل سے تھا۔ "William Muir" نے اپنی تصنیف "The Life of Mahomet" (1858) میں سورتوں کو پانچ اخلاقی و تاریخی ادوار میں تقسیم کیا اور قرآن کے متن کو نبوی زندگی کا عکس قرار دیا)۔ "Julius Wellhausen" نے اپنی کتاب "Reste arabischen Heidentums" (1887ء) کے ذریعے قبل از اسلام عرب معاشرے کے مذہبی اثرات اور حنیف تحریک کو قرآنی پس منظر کا بنیادی حصہ قرار دیا۔ قرآنِ مجید کے بعض الفاظ، تراکیب اور اسلوبِ بیان پر سریانی زبان اور سریانی مسیحی ادب کے اثرات موجود ہیں۔ یہ رائے ان کے مستشرقانہ نقطۂ نظر کی نمائندگی کرتی ہے۔

بیسویں صدی کے مستشرقین کے مطالعاتِ قرآنیہ:

بیسویں صدی کے آغاز میں قرآنی الفاظ کے ماخذات اور کرسٹولوجی پر کام میں زیادہ باریک بینی پیدا ہوئی۔ "Hartwig Hirschfeld" نے اپنی کتاب "New Researches into the Composition and Exegesis of the Qoran" (1902) میں قرآنی بیانات کو بیانیاتی، متکلمانہ اور تشریحی خانوں میں تقسیم کرکے ان کے عبرانی و سامی لسانی روابط کو تلاش کیا۔ "Hubert Grimme" نے اپنی دو جلدوں پر مشتمل کتاب "Mohammed" (1892–1895) میں قرآن کی ابتدائی تعلیمات کو ایک معاشرتی اصلاحی تحریک سے تعبیر کیا۔ "Richard Bell" نے اپنی کتب "The Origin of Islam in Its Christian Environment" (1926) اور "Introduction to the Qur'an" (1953) میں یہ نظریہ قائم کیا کہ قرآن کی تشکیل اور اس کا تصورِ مسیح (Christology) بنیادی طور پر عرب کے گردو پیش میں پھیلے مسیحی ماحول اور سریانی کلیسائی روایات (Qeryānā) کا مرہونِ منت ہے نیز انہوں نے قرآنی قصص میں انجیل لوقا اور اپاکرفل اناجیل کے اثرات نشاندہی کی۔۔ الفانس منگانا کا مضمون "Syriac Influence on the Style of the Koran" (1927) اس میدان کا اولین اہم کام ہے جس میں انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن پر عیسائی سریانی روایت کا گہرا اثر ہے جبکہ یہودی اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ مضمون بعد میں ابن وراق کی مرتب کردہ کتاب What the Koran Really Says (2002) میں دوبارہ شائع ہوا۔ اس میں قرآن کی روایتی اصل پر نظر ثانی پر مبنی نقطہ ہائے نظر جمع کیے گئے ہیں۔ قرآن کے بائبلی پس منظر میں اہم کتاب اس میدان کی اس صدی کی بنیادی کتاب تصنیف ہائن رِش شپائر کی جرمن زبان میں لکھی گئی Die biblischen Erzählungen im Qoran (1931) ہے۔ اس کتاب نے قرآن میں مذکور بائبلی داستانوں کا تفصیلی تقابلی جائزہ پیش کیا اور بعد کی تمام تحقیق کے لیے ایک حوالہ نقطہ بن گئی ۔ اسی دہائی میں آرتھر جیفری کی کتاب "The Foreign Vocabulary of the Qur'an" (1938) شائع ہوئی جو آج تک قرآن کے غیر عربی الفاظ کی سب سے جامع اور معیاری فہرست شمار ہوتی ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسے 2007ء میں بریل نے دوبارہ شائع کیا ہے جو اس کی مستقل علمی افادیت کی دلیل ہے۔ "Charles Cutler Torrey" نے اپنی کتاب "The Jewish Foundation of Islam" (1933) میں بیل کے برعکس یہ مؤقف اپنایا کہ قرآن کا فکری اور ساختی ماخذ خالصتاً یہودی وہاگادک روایات ہیں۔ "Arthur Jeffery" نے اپنی معروف لغوی تحقیق "The Foreign Vocabulary of the Qur'an" (1938ء) میں دعویٰ کیا کہ قرآن کے مذہبی و ثقافتی ذخیرہ الفاظ کا بڑا حصہ عبرانی، سریانی اور آرامی زبانوں سے نفوذ کرکے عربی میں شامل ہوا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآنی الہام کا بنیادی سرچشمہ شمال کے توحیدی مذاہب

تھے۔ بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں تدوینی تنقید اور جدید ادبی مناہج ابھر کر سامنے آئے۔"John Wansbrough" نے اپنی انقلاب انگیز کتب " Qur'anic Studies: Sources and Methods of Scriptural Interpretation" (1977) اور " The Sectarian Milieu: Content and Composition of Islamic Salvation History" (1978) میں تدوینی تنقید "Redaction Criticism" کا نظریہ دیا کہ قرآنی متن ساتویں صدی کے مکہ و مدینہ کے بجائے دوسری و تیسری ہجری کے عراقی و شامی "مسیحی یہودی فرقہ وارانہ ماحول" (Sectarian Milieu) میں تدریجاً یکجا ہوا۔"Fred M. Donner" نے اپنی کتاب " Narratives of Islamic Origins" (1998) میں تاریخی بنیادوں پر وانسبروف کیقرآن کریم کی تاخیر سے تدوین ہونے اور قرآنی متن میں تحریف کو باطل ثابت کیا۔اس دور کے اختتام پر "Jane Dammen McAuliffe" نے اپنی کتاب "Qur'anic Christians: An Analysis of Classical and Modern Exegesis" (1991) میں قرآن کے اندر عیسائیوں اور کرسٹولوجی کے متعلقات پر مسلم تفاسیر کا گہرا بیانیاتی تجزیہ پیش کیا۔جس نے قرآن کے اندرونی اسلوب اور اس کی قائم بالذات وحدت کے مطالعے کے فروغ کا باعث ہوا۔

اکیسویں صدی کے چند مطالعاتِ قرآنیہ:

اکیسویں صدی میں اس بحث کو نئی زندگی کرسٹوف لُکسن برگ کی کتاب Die syro-aramäische Lesart des Koran(2000) نے دی جس میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ قرآن اصل میں سریانی-آرامی ثقافتی ماحول میں تشکیل پایا اور عربی اس دور میں تحریری زبان کے طور پر رائج نہ تھی۔اینڈریو رپن کا مقالہ " Syriac In The Quran Classical Muslim Theories" دراصل اسی نظریے پر ایک تنقیدی و تاریخی تبصرہ ہے جس میں وہ لُکسن برگ کے مفروضوں کو کلاسیکی مسلم روایت کے پس منظر میں جانچتے ہیں۔ ہرشفیلڈ کا بنیادی کام بیسویں صدی کے آغاز کا ہے، لیکن اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں ان کی تصنیف "New Researches into the Composition and Exegesis of the Quran" نے جدید محققین کو قرآنی سورتوں کی بیانیاتی نوعیت (Declamatory, Narrative, Legislative) اور ان کے عبرانی و سریانی ماخذات کے دوبارہ تجزیے کی طرف متوجہ کیا۔اکیسویں صدی کی سب سے اہم علمی پیش رفت برلن-برانڈنبرگ اکیڈمی[30] کا "Corpus Coranicum" پروجیکٹ ہے۔[31] "Gabriel Said Reynolds" نے اپنی تصنیف " The Qur'an and Its Biblical Subtext"(2010) کے ذریعے یہ نقطہ نظر پیش کیا کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے اسے کلاسیکی اسلامی تفاسیر کے بجائے اس کے "مستند غیر مستند روایاتِ بائبلی پس منظر میں پڑھنا ضروری ہے۔رینالڈز کے مطابق قرآنی بیانیات بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی داستانیں، شام اور عرب میں پھیلی ہوئی غیر مستند مسیحی روایات "Apocryphal Christian Traditions" اور "Syriac Homilies" سے قریبی لسانی و معنوی ربط رکھتی ہیں۔

حاصلِ مطالعہ:

مغربی مستشرقین کے قرآنی مطالعات کے تاریخی ارتقاء کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ علمی سفر مختلف فکری، سیاسی اور مذہبی ادوار سے گزر کر موجودہ مرحلے تک پہنچا ہے:

- مناظرانہ رنگ مطالعات میں غالب رہا۔
- انفرادی تصانیف سے اداراتی نظم میں تحقیق منتقل ہوئی۔
- معاصر دور میں تحقیقات میں منظرانہ اسلوب سے نکلی تحقیقات کو جدید اسالیب و مناہج کی طرف موڑ دیا گیا ہے جہاں قرآن کے اپنے منفرد اسلوب، ساخت اور الہامی پیغام کے تنوع کو تسلیم کرتے ہوئے اس کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔
- مسلم محققین کے یہ مقالہ قرآنیات پر جدید مطالعات سے آگاہی کی ضرورت کو اجاگر کرتی ہیں کہ وہ جدید مغربی مناہج تحقیق: ماخذی تنقید، لسانیات، اور تدوین کا گہرا اور تنقیدی جائزہ لیں تاکہ مستشرقانہ شکوک و شبہات کا جواب علمی، لسانی اور بین المتن تناظر میں دیا جا سکے۔

OPEN ACCESS

حوالہ جات

---

[1] John W. Voorhis, "John of Damascus on the Moslem Heresy," The Moslem World 24 (1934): 392.
5D. B. Macdonad, "Whither Islam?" The Moslem World 23 (1933): 2
[2] John of Damascus. De Haeresibus (The Heresy of the Ishmaelites). In John of Damascus on Islam, edited by Daniel J. Sahas, 133. Leiden: Brill, 1972.
[3] James Kritzeck, Peter the Venerable and Islam (Princeton: Princeton University Press, 1964), 105.
[4] Neal Robinson, "Massignon, Vatican II and Islam as an Abrahamic Religion," Islam & Christian-Muslim Relations 2 (1991): 185.
[5] Southern, Richard William. Western Views of Islam in the Middle Ages. Cambridge, MA: Harvard University Press, 1962, 13–45

[6] N. Robinson, "Islam and the West," The Muslim World 81, no. 2 (1991): 187.

[7] James Kritzeck, Peter the Venerable and Islam (Princeton: Princeton University Press, n.d.), 129.

[8] A. J. Arberry, The Koran Interpreted (Oxford: Oxford University Press, 1983), 7.

[9] J. W. Sweetman, Islam and Christian Theology, Vol. I (London: Lutterworth Press, 1955), 118, 158–59.
[10] Burman, Thomas E. Reading the Qur'an in Latin Christendom, 1140–1560. Philadelphia: University of Pennsylvania Press, 2007.

[11] Nicholas Rescher, "Nicholas of Cusa on the Qur'an," The Muslim World 55, no. 3 (1965): 199.
[12] Nicholas Rescher, "Nicholas of Cusa on the Qur'an, 198-199
[13] Nicholas Rescher, "Nicholas of Cusa on the Qur'an, 199
[14] Nicholas Rescher, "Nicholas of Cusa on the Qur'an, 199

[15] W. M. Watt, Bell's Introduction to the Qur'an, Edinburgh: Edinburgh University Press, 1994, 173.
[16] Luther, Martin. "Preface to Bibliander's Edition of the Qur'an" In Luther's Works, vol. 46, 183–184. Philadelphia: Fortress Press, 1965
[17] G. Simon, "Luther's Attitude Towards Islam," The Moslem World 21 (1931): 259–60.

[18]Albert Hourani, Islam in European Thought (Cambridge: Cambridge University Press, 1991), 12–13.

[19]مراچی ایڈیشن قرآن کا ایک عربی نسخہ اور لاطینی ترجمہ ہے، جو 1698ء میں شائع ہوا۔ یہ دو جلدوں میں "Alcorani Textus Universus Arabicè et Latinè" کے عنوان سے پادوا (اٹلی) میں چھپا۔ اس کے مصنف لوڈووِکو مراچی تھے، جو ایک اطالوی مستشرق (Orientalist) اور روم کے "کالج آف وزڈم" میں عربی زبان کے پروفیسر تھے۔ مراچی کے اس قرآنی نسخے میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھی، جس کے ساتھ حواشی (نوٹس) اور اسلامی عقائد کی تردید بھی درج تھی۔ اس کتاب کا لاطینی مقدمہ، جس کا عنوان "Prodromus Ad Refutationem Alcoran" تھا اس سے کئی سال پہلے یعنی 1691ء میں شائع ہو چکا تھا۔ مراچی نے اپنا یہ قرآنی ایڈیشن ہنکل مان ایڈیشن (Hinckelmann edition) کی اشاعت کے صرف چار سال بعد شائع کیا۔
[20] Anthony Pagden, European Encounters with the New World (New Haven: Yale University Press, 1993), 98–99
[21]Pagden, European Encounters with the New World., 112
[22] Dorinda Outram, The Enlightenment (Cambridge: Cambridge University Press, 1995), 33.
[23]M. Rodinson, Europe and the Mystique of Islam (Washington: University of Washington Press, 1991), 45.
[24] George Sale, The Koran, Commonly Called the Alcoran of Mohammed: Translated into English Immediately from the Original Arabic; with Explanatory Notes, Taken from the Most Approved Commentators; to Which Is Prefixed a Preliminary Discourse (London: C. Ackers, 1734).
[25] W. G. Shellbear, "Is Sale's Koran Reliable?" The Muslim World 21 (1931): 126.
[26] George Sale, The Koran: Commonly Called the Alkoran of Mohammed (London–New York: Frederick Warne and Co., 1888), 28.

[27] G. Beer, "Charles Darwin," Encyclopaedia Britannica 5 (1872), 495

[28] Abraham Geiger, Judaism and Islam (New York: KTAV Publishing House, 1970), viii.

[29]

[30] The Academy", BBAW , www.bbaw.de/en/the-academy

[31] کارپس قرآنکم پر مفصل مقالہ فکرو نظر جریدے میں پڑھا جا سکتا ہے۔
http://irigs.iiu.edu.pk:64447/ojs/index.php/irifikronazar/article/view/3358/4644

CC BY